

واقعات دریں عبرت کے لیے پیش کیے گئے ہیں۔ رسالہ موضوع بحث کے لحاظ سے مختصر، مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔

یہ رسالے عربی زبان میں ہیں۔ عربی زبان میں کسی کتاب کا ہونا یوں کوئی تعجب اور خاص اہمیت کی چیز نہیں۔ مگر ان رسالوں کا عربی زبان میں ہونا خاص اہمیت رکھتا ہے۔ مصنف عربی کے مشاق انشا پرداز اور صاحب طرز اہل قلم ہیں۔ یوں تو تصنیف پاک و ہند میں عربی جاننے والوں کی کوئی کمی نہیں، مگر لکھنے والوں کی بہت کمی ہے۔ بہر حال اس ملک میں گنتی کے جو دو چار عربی کے مستند اہل قلم ہیں، ان میں مصنف کا بھی شمار ہے، بلکہ انہیں اپنے ہم چشموں میں نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اب ان کے پڑھنے سے اندازہ ہوگا کہ عرب ملکوں کے مسلسل سفر اور طویل قیام نے ان کی زبان میں مزید جلا پیدا کر دی ہے اور ان کا طرز نگارش اور بھنی بکھر گیا ہے۔ علی میاں مصنف اپنے نیاز مندوں کے حلقے میں اسی مختصر اور محبوب نام سے یاد کیے جاتے ہیں، اپنی عام زندگی، معاشرت اور بہن بہن میں تو حد درجہ سادہ بلکہ منقش واقع ہوئے ہیں، مگر انشا و تحریر میں وہ اچھے خاصے روشن خیال، اور متجدد راہزن، ہیں، اتنے متجدد کہ ان کے دیرینہ نیاز مندوں کو ان کا یہ تجدد اور روشن خیالی کھٹکتی ہے۔ زبان و انشائیں وہ جدید مصر کے پیرو اور اس کے نقش قدم پر چلتے والے ہیں۔ مصر کے اکثر نئے لکھنے والوں کی طرح وہ بھی احساس کمتری، کے لیے مرکب انقباض اور

Against کے لیے ضد استعمال کرنے میں کوئی جھبک محسوس نہیں کرتے۔ Inferiority

complex کا ترجمہ "مرکب انقباض" بالکل فطری اور مہمل ہے۔ اسی طرح ضد کے

معنی تعین کے ہیں۔ اس سے Against کا مفہوم کسی طرح ادا نہیں ہوتا۔ یہ دونوں مثالیں نمونے کے طوع پر دی گئی ہیں۔ راقم اپنی زندگی اور معاشرت میں آزاد ہونے کے باوجود ادب و انشائیں بے اعتدالی و آزادی کا حامی نہیں۔ یوں متجددین کی زبان میں اسے قدامت پسندی و محافظت، سے بھی تعبیر

لہ الدعوتۃ الاسلامیۃ - ۲۴۷

لک شاعر الاسلام - ص ۲۴

کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک آدھ جگہ پیدائشی "ہندیت" کی پرچھائیں بھی نظر آتی ہے۔ اعوض عن اذنتکم رآپ کی اجازت سے عرض کرتا ہوں، جیسا "اردو نما" فقرہ علی میاں کے قلم سے نکلنا حیرت انگیز ہے۔ شاید یہ فروگزاشت "بشریت" کی تکمیل کے لیے ہو۔ کہیں کہیں نحوی خامیاں بھی نظر آئیں، مگر ان سے کون بچ سکتا ہے؟

ان دو چار معمولی فروگزاشتوں کو چھوڑ کر ان رسالوں کی زبان عربی انشا کا اچھا نمونہ ہے اور ایک ہندی نثر اس کے لیے قابل فخر۔ اور اس کامیابی پر علی میاں، ہماری ولی مبارک باد کے مستحق ہیں۔

نو عمروں کو دین کی طرف مائل کرنے اور

خواتین میں صحیح اسلامی مزاج پیدا کرنے کے لیے

پندرہ روزہ **الحسنات** - رام پور۔ یو۔ پی

کا مسلسل مطالعہ بہت ہی مفید ثابت ہوا ہے

آپ بھی تحریر کریں

سالانہ چندہ ص ۲۰

پاکستان کے خریداران اپنی رقم دفتر اخبار کوثر گوالمنڈی لاہور بھیج کر رسالہ جاری کرالیں یا پھر

وی۔ پی کے لیے سہیں لکھیں ————— مینیجر

# مسئلہ تقدیر کا الٹا استعمال

نعیم صدیقی

(قسط دوم)

احکام جہاد اور مسئلہ تقدیر جہاد کے لیے جو خطبات قرآن میں نازل ہوئے ہیں ان میں سے کوئی ایسا نہیں کہ جس میں جہاد کے احکام کے ساتھ ساتھ حقائق تقدیر نہ بیان ہو رہے ہوں۔ یہ محض اس لیے کہ جہاد کی قربانی پر اطمینان قلب کے ساتھ آمادہ کرنے میں ان حقائق کا علم مدد ہوتا ہے۔ مثلاً سورہ النساء میں جہاد فرمایا کہ "مَا لَكُمْ لَا تَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" الخ۔ وہاں دلوں کا چور پکڑا کہ تم شاید موت سے ڈرتے ہو تو سن لو کہ :-

أَيُّهَا تَكُونُوا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَكُلُّكُمْ  
كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ  
تم جہاد بھی ہو داپنے وقت مقررہ پر، موت تم کو  
آئے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں ہی میں کیوں نہ پناہ  
یہ ہونے ہو۔

دیکھ لیجیے کہ موت کے اٹل تقدیر ہونے کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ موت کا خوف دل سے  
انگ رکھ کے مسلمان فریضہ جہاد پر کمر بستہ ہو جائے۔

اسی سلسلہ کلام میں نفاق زدہ لوگوں کی ایک بیماری اور پکڑی کہ وہ اطاعت رسول میں اس لیے  
کو تہا ہو رہے تھے کہ رسول پر پورا پورا اعتماد نہ تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ "إِنْ تَصِيبُهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا  
هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تَصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ" یعنی کوئی اچھی صورت  
پیش آئی تو کہا کہ یہ تو اللہ کا کام ہے اور کوئی تکلیف پہنچی تو رسول پر الزام رکھ دیا کہ اس کی تدبیر ہی  
ایسی تھی، بیماری راستے پر کام کیا جاتا تو یہ نہ ہوتا۔ ان کو جواب دلوایا گیا کہ "كُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ"۔

سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے! بھلائی ہو یا برائی اُس کا وقوع اللہ کی مشیت ہی کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن پھر ایک دوسرے پہلو سے اسی حقیقت کی جھلک یوں دکھائی کہ جو بھی بھلائی تم کو پہنچتی ہے وہ تو اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، لیکن جو کوئی برائی تم کو ملتی ہے تو وہ تمہارے اپنے نفس کے فساد کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اللہ اسے تمہاری طرف پٹا دیتا ہے۔

اس نظام تقدیر کو بیان کرنے سے سارا مقصد یہ تھا کہ "اطاعت رسول کے بغیر اللہ کی اطاعت کے کوئی معنی نہیں۔ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔"

اسی طرح آل عمران آیات ۲۳ تا ۱۲۵ میں بھی جہاد ہی کے موضوع پر بات کرتے کرتے موت کے مقدر ہونے کو واضح فرمایا ہے کہ:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ يَكْتُبُ أُمَّوَجَلًا۔  
اور کسی جان میں یہ تباہ نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر  
مر سکے جو ایک وقت مقرر کے لیے تعلق بند کیا گیا ہے۔

آل عمران ہی میں جہاد پر بات کرتے ہوئے منافقین کے اس فتنہ کا ذکر ہے کہ وہ اپنے جہادوں اور دوستوں کے متعلق یہ کہتے پھرتے تھے کہ یہ لوگ اگر ہماری مانند اور ہماری طرح ذرا بچ کے رہتے تو اسے نہ جاتے۔ اس طرح کی باتیں مسلمانوں میں انتشار پیدا کرتی تھیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں بھی اپنی تقدیر ہی کا راز بیان کیا کہ

قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بَيْوتِكُمْ لَاجِدْتُمْ  
الَّذِينَ كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلَ لَمَنْ  
مُضَاهِجُهُمْ  
کہہ دو اسے محمدؐ، کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے  
تو وہ لوگ پھر حال اپنی مثل گاموں کی طرف نکلتے جن کے لیے  
قتل مقدر تھا۔

یہ کلمات جہاد سے جی چرانے والوں کے فلسفہ کے جواب میں کہہ کر جہاد کا جذبہ رکھنے والوں کی ہمت بندھائی جا رہی ہے۔ تقدیر کا بیان یہاں بھی مصیبت سے روکنے اور طاعت پر ابھارنے کے لیے ہے۔

یہی گروہ منافقین پھر زور پاتا ہے۔ اس گروہ کا حال یہ تھا کہ مسلمانوں پر مصیبت پڑے تو

خوش اور ان کو کامیابی ہو تو منجھوم جنگ احد میں جب مسلمانوں کو زک پہنچی تو یہ لوگ بغلیں بجاتے پھرتے تھے کہ دیکھو، ہم حقلند تھے، میدان جنگ میں نہ گئے، اور تم بیوقوف تھے، موت کے منہ میں چلے گئے۔ مسلمانوں میں ان کی ان باتوں کا جو رد عمل پیدا ہو رہا تھا اس کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم سے یہ جوابی کلمہ کہلوا یا کہا:

لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ  
مُؤْتِنَا وَوَعَلَى اللَّهِ خَلْقُ كُلِّ الْمُؤْمِنِينَ ۝  
ہمیں کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا بجز اس کے کہ اللہ  
نے ہمارے لیے لکھ دیا ہو۔ وہ ہمارا کار ساز ہے  
اور چاہیے کہ اہل ایمان اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

اس جواب میں طمانیت، مضبوطی، استقامت اور توکل کی کسی زور دار روح کام کر رہی ہے۔  
لیکن کتنے بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اس سے اٹا اپنے لیے بے اطمینان تذبذب، ڈھل بل یقینی اور  
یا ایسی اخذ کریں۔

پھر کچھ اور کمزوریاں ہیں جو میدانِ جہاد میں اثر دکھاتی ہیں۔ ان کی طرف منکم من یومئذ الدنیا  
کہہ کر اشارہ کیا اور میدانِ احد میں اس کمزوری کا مزہ چکھایا۔ پھر اس واقعہ کا ذکر یوں کیا کہ:-  
اذ تصعدون ولا تفلتوا علی احد  
والرسول یدعوکم فی احوالکم فاصابکم  
عنا بغیتم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا  
ما اصابکم  
ذرا یاد کرو وہ موقع جب تم (آگے ہی آگے)  
چڑھے جا رہے تھے اور کسی کو پیچھے ٹر کر بھی نہ  
دیکھتے تھے، حالانکہ رسول تم کو پیچھے سے پکار رہا  
تھا، چنانچہ رسول کو، دکھ دینے کے بدلے میں تم

کو بھی دکھ پہنچا۔ (یہ توضیح اس لیے ہے کہ) نہ تو اس پر جو ہاتھ سے جانے اور نہ اس پر جو پیش آئے کوئی مٹا کر  
یعنی اللہ کی اطاعت کرنے والے کو تو نہ بال خنیت کے ہاتھ سے جانے کی پروا ہونی چاہئے اور  
نہ موت کی نہ زخم لگنے کی، لیکن تم میں چونکہ دنیا پرستی کام کر رہی تھی اس لیے تم تھوڑی دیر کے لیے  
ابتلا میں آگئے۔

اسی سلسلے میں یہ بتایا کہ خدا کی نافرمانی اور رسول کی ناراضی کے ساتھ اٹھی سیدھی تدبیروں سے

جنگ آزمائی کرتا کس کام کا۔ اور اپنی کثرت پر اترا تا چہ معنی، جبکہ فتح کا فیصلہ دراصل اللہ کی تقدیر سے ہوتا ہے۔ فرمایا:-

ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم  
وان یخذ لکم فمن ذالذی ینصرکم  
من بعدہ! وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون

اللہ اگر تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اگر وہ تم کو بے یار و مددگار چھوڑ دے تو پھر اس کے بعد اور کون ہے جو تمہاری مدد کرے۔ اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔

آل عمران ہی کی بڑی مشہور آیت (۲۸-۲۷) جو عبرت کا خزانہ نکات بن کے رہ گئی ہے، وہ بھی دراصل جہاد اور معرکہ ہائے کفر و دین ہی کے لیے مومنین کے جذبات کی آبیاری کرنے کے لیے نازل کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

قُلْ اَللّٰهُمَّ مَا لَكَ الْمَلِكُ تَوْتِي  
الْمَلِكِ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكِ  
مَنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ  
مَنْ تَشَاءُ بِبَيْدِكَ الْخَيْرِ اِنَّكَ عَلٰى  
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ تَوَلَّيْتُ الْكَفِيْرَ فِي  
السَّهَابِ وَتَوَلَّيْتُ السَّهَابَ فِي الْكَفِيْرِ  
وَ تَخْرُجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تَخْرُجُ  
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ  
بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

کہو کہ اے ہمارے اللہ! تو ہی سلطنت کا دالی ہے تو اپنے دست خیر و برکت سے جسے چاہے ملک دکی باگ ڈور، سوچ دے اور جس سے چاہے ملک دکی باگ ڈور، سلب کر لے، جسے چاہے غلبہ دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے! بلاشبہ تو ہر بات پر قدرت رکھتا ہے تو رات کو دن میں پڑتا ہے اور دن کو رات میں پڑتا ہے اور زندہ کو مردہ میں سے برآمد کرتا ہے اور مردہ کو زندہ میں سے، اور جسے چاہے بے حساب روزی عطا کرتا ہے۔

اس آیت میں اہل ایمان کو جس حقیقت سے آگاہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تمہارے دشمن اور حق کے مخالفین چاہے کتنے ہی دبدبے اور طنطنے دکھائیں، کتنی ہی تہاریوں کا مظاہرہ کریں، کیسے ہی جبار نہیں، قوت اور ساز و سامان پر کتنا ہی کبر دکھائیں اس دنیا کے نظم پر ان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

اصل اختیارات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ جب ایک نئی اُبھرتی ہوئی اور بظاہر کمزوری قوت کو اقتدار دینا چاہتا ہے تو اس کا راستہ کوئی روک نہیں سکتا اور وہ جس بڑی سے بڑی قوت سے تسلط کا منصب میں بیٹے کا فیصلہ کرے، پھر اس کا کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔ وہ غلبہ رکھنے والوں کو شدید نخواست سے نیچے ہٹانے یا ان کے پیروں میں روند سے جانے والوں کو اٹھا کر عزت کے تخت پر بٹھا دے، کسی کا ذات پناہ عامل نہیں ہو سکتا۔ وہ مایوسی اور مصیبت کی تاریکیوں میں سے امیدوں اور کامرانوں کی صبح کو ابھار کے لاتا ہے اور کفر و شرک کی شبِ تیرہ کے نسک سے ایمان و اسلام کا سورج برآمد کرتا ہے۔ اور پھر وہی ہے جو تکبرین کے کبر اور ترفین کی عیاشیوں اور ظالمین کے ظلم و ستم کے دن کو نامرادی کی رات میں بدل دیتا ہے۔ وہ عالمِ جہانی میں بھی اور روحانی اور انملاتی دنیا میں بھی مردوں کے اندر سے زندگی کا طوفان اٹھا دے تو، اور ایسے ہی وہ زندوں کو مردوں میں بدل دے تو، کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑ سکے۔ اور پھر وہی ہے کہ کسی سے مادی و روحانی رزق سلب کر لے اور کسی پر اپنے رزق کے دروازے کھول دے تو آڑے آنے والا کوئی نہیں۔

یہ آیت اپنے مفہوم کے لحاظ سے قطعاً طور پر آیت انقلاب ہے، یہ مشیت کے نظامِ تغیر کو واضح کرتی ہے اور وہی بات کہتی ہے جسے حضرت عیسیٰ نے کہا کہ کہتے ہی آگے ہیں کہ جو پیچھے ہو جائیں گے اور کہتے ہی پیچھے ہیں کہ جو آگے آجائیں گے۔ مگر ساتھ کے ساتھ یہ آیت اس غلط فہمی کو بھی دور کرتی ہے کہ تغیرات کا تقدیری نظام کوئی غیر حکیمانہ نظام نہیں ہے کہ تقدیر اندھے کی لاشی کی طرح حرکت کرے۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ دستِ خیر کے ذریعے ہو رہا ہے اور ہر تغیر کے پیچھے حکمت و مصلحت موجود ہے اور ہر المٹ پھیر کے لیے قوانین ہیں۔ اس آیت میں "ببیدار الخیون" کے الفاظ ہی اصل سرچشمہ تسلطی ہیں کہ خدا تعالیٰ جب سارے تغیرات خیر کے لیے کر رہا ہے تو پھر وہ لوگ جو ایک نظامِ خیر و نفع کے لیے معرض کشمکش میں ہوں ان کو مطمئن ہونا چاہئے کہ تبدیلی آئے گی تو ان کے ہی حق میں آئے گی۔ اس آیت انقلاب کا اصل منشا کشمکش اور جہاد کے مراحل میں مومنین کو ثبات عطا کرنا تھا، لیکن دنیائے اسے جی جبریت کے سرد خانے (Cold storage) میں رکھ کر ٹھنڈا کر دیا ہے۔

اس آیت سے کچھ اور پرہی حقیقت ایک اور انداز میں واضح کی گئی ہے۔ یہ نصیحت کرتے ہوئے کہ اگر تم پر خدا کچھ آج آگئی ہے تو اس کی وجہ سے نہ تو ڈھیٹے پڑو اور نہ لہلہا ہو کے پڑو، جہاں تم کو گزند پہنچا ہے وہاں دوسروں کو بھی پہلے گزند پہنچ چکا ہے، فوراً نظام تقدیر کا ایک گوشہ بے نقاب کر دیا کہ:-

وَنذَلِكُ الْاَيَّامُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ - اور ان دنوں کے درمیان گردش دیتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نفع و نقصان، کامیابی و ناکامی، مایوسی و امید، فتح و شکست کے حوادث کا تو ایک چکر ہے جسے قدرت الہی برابر گھاڑ رہی ہے کہ کبھی تاریخ سلنے آجاتا ہے اور کبھی روشن رُخ، کبھی دن بستے کبھی رات، کبھی اپنی بن آتی ہے کبھی مخالف کی، اور جن کو اپنا راستہ بنانا ہوتا ہے وہ حوادث کے اسی الٹ پھیر کے درمیان سے بنائے جاتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی یہ توضیح بھی کر دی گئی ہے کہ گردش تقدیر کا ایک اصول یہ ہے کہ کفار کے مقابلے میں غلبہ اہل ایمان ہی کو ملتا ہے بشرطیکہ وہ صحیح معنوں میں اہل ایمان ہوں۔ مسلمانوں میں یقین و طمانیت پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ واضح اور کونے الفاظ ہونگے۔

پھر یہ بھی کہہ دیا کہ اسی گردش ایام کی کٹھالی میں پڑ کر تو وہ ایمان والے نکھرتے ہیں کہ جن کو اللہ منصب شہادت کے لیے منتخب فرماتا ہے۔ اس اشارے میں خودیہ دعوت شامل ہے کہ منصب شہادت کے قائل بنو اور آزمائش آئے تو کھڑے بن کر نکلو۔

آیت جہد و جہد میں زیادہ منصبی کی دعوت دے رہی ہے، مگر یہی آیات ہیں کہ جن کا موقع و محل نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ ان کو مجھو و ملال ہی پیدا کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

صورۃ بقرہ میں تھنہ طاوت کے اندر ایک حقیقت تقدیر یہ بھی واضح کی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نظام مشیت نہ بناتا جس میں باگڑ جانے والوں کو اقتدار سے ہٹانے کے لیے دوسرے بہتر لوگ اٹھائے جاتے رہیں تو ساری زمین افلاقی فساد سے بھر جاتی۔ یہاں پھر یہ اشارہ اخذ ہوتا ہے کہ دشمنان



کا جو مسئلہ آج تم دیکھتے ہو اسے تو وبالا کرنے ہی کے لیے تو نظام تقدیر کے تحت تم میدان میں آتے ہو۔ پھر جھجک کیسی! بہت سے کام لو اور ٹکرا جاؤ!

تحریر کیب اتفاق کے لیے بیان تقدیر اتفاق بھی طاعت الہی کا ایک بڑا شعبہ ہے۔ چنانچہ رزق کا نظام تقدیر بالعموم ان مواقع پر واضح کیا گیا ہے جہاں اتفاق کی ترغیب دلانا مطلوب تھا۔ مگر کنسی عجب بات ہے کہ رزق کے نظام تقدیر کو زیر پرست بخیلوں نے اتفاق سے گریز کے لیے ویل بنایا ہے! سورہ یسین میں دیکھیے:-

اور جب ان و کفار سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دین سے ہوسے رزق میں سے اتفاق کرو تو یہ کفر کرنے والے ایمان والوں کو یہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ان لوگوں کو ہم کھلاتا ہیں جن کو اگر اللہ سے کھلاتا چاہا ہوتا تو خود کھلاتا تم لوگ تو نہایت منحصر گراہی میں مبتلا ہو!

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَا نَفَعُوا إِيمَانَهُمْ رِزْقَهُمْ  
اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا الَّذِينَ آمَنُوا  
أَنطعهم من كوشيتاء الله أطلعهم  
إنا أنتمم الآتي ضليل صبين-

دیکھیے طاعت سے بچنے کے لیے کس شاندار طریق سے مسئلہ تقدیر (حیرت) کو اڑ بنایا گیا تھا اپنی ذمہ داریاں اٹھانے کے لیے خدا کے سر ڈال دیں۔ خدا کا تقدیر رزق کا نظام تو تفاوت کے ساتھ رزق دیتا ہے تاکہ آزمائش کا مقام پیدا ہو اور جہاں کچھ لوگوں کے لیے صبر و کسب لازم آئے وہاں دوسروں کے لیے نکر و اتفاق واجب ٹھہرے۔ لیکن جب ان سے مطالبہ ہوا کہ اتفاق کرو تو وہ فرماتے ہیں کہ خدا خود ہی غریبوں کی دست گیری بیبیوں کی کفالت اور مساکین کی چارہ گری کیوں نہیں کر لیتا جب اس نے ان کو غریب و مجبور بنایا ہے تو ہم کیوں بیچ میں مداخلت کریں۔

بات یہیں تک نہ رہی، بلکہ جب اللہ کے نام پر اتفاق کا مطالبہ کیا تو کفار طعنہ رکھتے کہ لو بھائی کھنا خدا غریب ہو گیا ہے اور اب ہم بنی غنی رہ گئے ہیں کہ اس کی کچھ مالی مدد کریں۔ لیکن قرآن تقدیر رزق کو بیان کرتا ہی ترغیب اتفاق کے لیے ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں جہاں

مطالبہ کیا کہ اللہ کو قرض حسنہ دو، یعنی اس کی راہ میں مال خرچ کر دو ساتھ ہی یہ فرمایا کہ :-

وَاللّٰهُ يَفْتِيحُ وَيَبْصُطُ - اور اللہ ہی دروزی کو، تنگ اور فرسخ کرنے والا ہے۔

یعنی اتفاق میں اس اندیشے سے کہ تاہی نہ کر دو کہ تمہارے حصے کا رزق کم ہو جائے گا اور تم جو کون ہو گئے نہیں جو اللہ اتفاق کا حکم دے رہا ہے، روزی کو تنگ اور فرسخ کرنے کے اختیارات بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ پس تجل نہ بنو!

یہی بات سورہ بنی اسرائیل میں کہی جہاں یہ فرمایا کہ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّذْحُومًا ۝۵۰ وہاں ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ :-

إِنَّ سَكْرَتِكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ

یقیناً تیرا آقا اپنے بندوں میں سے جس کے لیے

چاہتا ہے روزی کو وسیع یا محدود کرتا ہے بیشک

وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور ان کو دیکھنے والا ہے۔

یہاں بھی رزق کے نظام تقدیری کو اسی لیے بیان کیا کہ نہ اپنے اخراجات میں مسرف بنو، نہ

حق کی راہ میں صرف کرتے ہوئے تجل بنو، بلکہ اعتدال سے چلو کہ اپنی ضرورتیں بھی پوری ہوں اور زمین

کی تحریک بھی چلے۔ اور اتفاق کرتے ہوئے یہ یقین رکھو کہ رزق دینے والا مالک تمہاری ضروریات سے

باخبر اور تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے اور رزق کی فراخی و تنگی کرنے کے سارے بیج اس کے ہاتھ

میں ہیں۔ ۵۰ إِنَّهُ كَانَ يَجْبِأُوهُ خَيْرًا أَوْ خَيْرًا ۝۵۰ میں بالکل نمایاں طور پر شفقت اور کار سازی اور کفایت

کی یقین دہانی موجود ہے۔

قتل اولاد کی ممانعت اور تقدیر رزق | سورہ بنی اسرائیل میں اور دوسری جگہ بھی اہل عرب کو قتل

اولاد سے روکا گیا ہے۔ عرب میں اولاد (خصوصاً بیٹیوں) کو جن وجوہ سے قتل کیا جاتا تھا ان میں سے

ایک بڑی وجہ مغلسی کا ڈر بھی تھا۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ کہنے کے آخر او اگر بڑھ گئے اور نہ کیا بچاؤ

کا ڈر ہوتی ہی نہیں، تو تنگ مالی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس سے

روکا اور اس کی اصل وجہ پر بھی گرفت کی:-

وَلَا تَقْنَلُوا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ حَشِيَّةٍ

اور اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے متسل نہ کرو ہم

اِمْلَاقٍ طَخَنُ كُوْنُ قَوْمٍ قَرِيْبًا كُوْدًا

ان کو رزق دینے والے ہیں۔ اور خود تم کو بھی!

یہاں دیکھیے کہ ایک شدید گناہی معصیت سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اطمینان دلایا ہے کہ رزق پہنچانا ہمارا کام ہے اور خوش حالی اور غریبی مقدر کرنے کے اختیارات ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ کئے کے افراد بڑھ جانے سے ضروری نہیں کہ خوش حالی کا خاتمہ ہو جائے اور ان کی اخراجات کو روک دینے سے ضروری نہیں کہ افلاس سے بچا جاسکے۔ لہذا اس معصیت سے باز آ جاؤ اور اپنی اُلٹی سیدھی تدبیروں سے اپنی تقدیر بنانے کی کوشش نہ کرو۔

اسی اصول پر لوڈیوں سے عزل کرنے کے بارے میں نبی صلعم نے ممانعت فرمائی اور وہاں بھی نظام تقدیر ہی کو طاعت پر آمادہ کرنے کا ذریعہ بنایا۔ فرمایا کہ تم کچھ بھی کرو جس جان کا پیدا ہونا مقدر ہے اسے کوئی تدبیر پیدا ہونے سے روک نہیں سکتی!

**ہدایت و ضلالت اور تقدیر** | ہدایت و ضلالت بھی تقدیر کی بخش کا ایک بڑا موضوع رہا ہے۔ اس موضوع کو سب سے پہلے شیطان نے چھیڑا تھا۔ وہ حکم سجدہ کی تعمیل سے دیدہ و دانستہ خود انکار کرتا تھا لیکن اپنی ذمہ داری کو مرسے اتار کر خدا تعالیٰ پر ڈالنے کے لیے کہتا ہے کہ "مَاتَ رِيْحًا اَعُوْبِيْتَنِي" اس کا مدعا یہ تھا کہ میں تو طاعت ہی کرنا چاہتا تھا لیکن تیری مشیت نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ میں بغاوت پر بالکل مجبور ہو گیا۔ مگر کشتی میں نے کی نہیں، مجھ سے کرائی گئی ہے۔ کفر مجھے پسند نہ تھا، مجھ پر ٹھونسا گیا ہے۔ اپنے ان الفاظ کی روشنی میں شیطان غلطہ جبریت محضہ کا سب سے پہلا بانی ہے۔ بحر میں اور ضالین کی یہ خوشنما پناہ گاہ اسی کی بنائی ہوئی ہے۔

اسی شیطان کے شاگرد وہ بھی تھے جنہوں نے نبی صلعم کی دعوتِ ایمان و طاعت کے جواب میں یہ کہا تھا کہ:-

كُوْنُ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِّنْ دُوْنِهِ

اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا

مِنْ شَيْءٍ يَخْتَفٍ وَلَا آبَاءَنَا وَلَا حَرَمَنَا  
کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر  
مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ حَرَامٍ  
کسی چیز کو اپنے لیے حرام ٹھہراتے!

یعنی ہمارا شرک اور خدا کے مقابلے میں ہماری شریعت سازیوں کچھ اس وجہ سے نہیں ہیں کہ ہم  
خود سوچ سمجھ کر اس چکر میں پھنسے ہیں، بلکہ خدا نے خود ہم سے ہی چاہا ہے اور ہم کٹھن پتلیوں کی طرح  
یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ بخلاف اس کے اگر وہ چاہتا کہ ہم یہ کچھ نہ کریں تو وہ ہمیں باز رکھ سکتا تھا۔  
ہم بتوں کے سامنے سر جھکانا چاہتے اور وہ ہماری گردنیں پکڑ لیتا، ہم کسی حلال شے کو حرام کہنے کا  
ارادہ کرتے اور وہ ہماری زبان کو باندھ دیتا، بھلا اس کی عظیم الشان طاقت کے مقابلے میں  
ہماری کیا بساط تھی کہ ہم اس کی مرضی کے خلاف کسی اور طرف قدم بڑھا سکتے۔

ان کلمات کے ذریعے ان لوگوں نے اپنے علم و اختیار کی، اپنے منصب خلافت کی، اپنی  
انسانیت کی، اپنے ارادہ و انتخاب کی، اپنی قوت تمیز کی کئی نفی کر دی اور سرے سے ذمہ دہانہ  
پن کی کوئی بنیاد ہی گویا نہ چھوڑی کہ اس بنیاد پر ان کو دعوت دین دی جاسکے۔

بھلا ان سے کوئی پوچھتا کہ اگر تم کسی خیال میں ٹھنک جاؤ تو کیا وہاں بھی اسی پوزیشن کو اختیار  
کر گے کہ نہ کسی سے راستہ پوچھو، نہ غلط راستے کو چھوڑ کر دوسری طرف مڑو، بلکہ اگر کوئی بطلانِ حبان  
تم کو بتائے بھی کہ یہ راستہ تو چیتوں کے بھٹ کی طرف جاتا ہے، شہر کو جانے والا راستہ ادھر سے ہو  
کے گیا ہے تو تم اسے یہ جواب دو کہ اگر اللہ چاہتا کہ ہم اس راستے پر چلیں تو وہ ہمیں خود ہی چلا دیتا،  
اب تو اس نے ادھر ہی چلا دیا ہے لہذا ادھر ہی چلیں گے، چاہے آگے چیتوں کے بھٹ ہوں یا  
آگ کے گڑھے؟

مگر نہیں، تقدیر کا یہ جاہلانہ تصور روزِ مرہ کی زندگی میں استعمال کرنے کے لیے تھوڑی ہے۔ یہ تو  
صرف ایمان و اخلاق اور قلب و روح کی دنیا میں کام دیتا ہے۔

ایک اور جگہ تقدیر کے اسی استعمال کا تذکرہ یہاں ہوا ہے:-

سَيَقُولُ الَّذِينَ اشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ  
اب یہ شرک کرنے والے (دعوت الی اللہ کے جواب میں)

مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاءُنَا وَلَا حَمَلْنَا مِنْ شَيْءٍ ط  
 كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنَ قَبْلِهِمْ حَتَّى  
 ذُاقُوا بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ  
 فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ  
 أَفْتَدُوا إِلَّا خُوصُونَ ۝

یہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ  
 دادا نہ شرمک کرتے اور نہ (مشرک کا دعائیہ کے تحت)  
 کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ ان سے پہلے جو لوگ  
 گذرے ہیں انہوں نے بھی ایسی ہی باتوں سے دعوت  
 حق کو، ٹھٹھایا، یہاں تک کہ ہماری گرفت کا مزہ

چکھ کے رہے۔ پوچھیے ان سے کہ کیا تمہارے پاس (اس معاملے میں) واقعی کوئی علم ہے، اگر ہے تو  
 لاؤ ہمارے سامنے۔ تم جن خیالات کے پیچھے چل رہے ہو وہ محض گمان ہیں اور تم محض تیرے تکتے چلاتے ہو  
 تقدیر کا یہ تصور جو ضلالت پر ہے رہنے کی دلیل بن جائے اور جو ہدایت کی طرف مائل ہونے  
 میں رکاوٹ ہے قرآن اسے ظن و گمان قرار دیتا ہے اور اس طرح کے خیالات کو کہ خدا لوگوں کو  
 جبراً معصیت و ضلالت پر چلاتا ہے اور جسے ہدایت پر لانا ہو اسے زنجیروں میں جکڑ کر زبردستی  
 کھینچ لاتا ہے، خدا کی کتاب میں "تیرے ڈانٹے" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سب فضول قیاسات اور  
 توفلسفہ طرائق ہیں۔ تقدیر کا یہ تصور قرآن کا نہیں، مشرکین کا ہے، خدا کا دیا ہوا نہیں، شیطان کا  
 ایجاد کردہ ہے۔

در اصل دشمنانِ حق جب یہ سنتے تھے کہ ہدایت دینے والا اللہ ہے تو وہ پوری بات نہ سمجھنے  
 کی وجہ سے طنزاً اس طرح کے نکتے نکال کر دعوتِ حق کی مدافعت کرتے تھے۔ ان کا کہنا اصل میں  
 یہ تھا کہ ایک طرف تو تم لوگ کہتے ہو کہ من یرہدہ اللہ فلا منئل لد ومن یصللہ فلا ہادی  
 لہ، تو پھر تم ہمیں کس بنیاد پر یہ الزام دیتے ہو کہ ہم ضلالت میں خود ڈپڑے ہیں اور کس بنیاد پر  
 ہمیں بلاتے ہو کہ ہدایت قبول کریں؟ ہدایت و ضلالت جب خدا کے اختیار میں ہیں تو ہماری  
 کیا ذمہ داری!

مگر مخالف کم نجات کی نگاہ ہمیشہ حقیقت کے پورے منظر کو دیکھنے سے کتراتے ہیں اور اوصاف  
 لے آتی ہے، پھر ساری بحثیں اور سارے نتیجے اسی اوصاف کے منظر پر کھڑے کئے جاتے ہیں۔

لوگوں نے یہ تو سن لیا کہ خدا ہدایت و ضلالت دیتا ہے۔ لیکن ان کے کان یہ نہ سن سکے کہ وہ کیا کرنے والوں کو ہدایت دیتا ہے اور کیا کرنے والوں کو ضلالت دیتا ہے۔ ان تک یہ بات تو پہنچ گئی کہ اللہ کے کرنے کے کام کیا ہیں لیکن یہ نہ پہنچی کہ بندوں کی ذمہ داریاں کہاں تک ہیں۔ قرآن نے خدا کے باوسی و مضل ہونے کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ جا بجا یہ بھی بتایا ہے کہ ہدایت و ضلالت کے دروازے کن لوگوں پر کھلتے ہیں، کن کنجیوں سے کھلتے ہیں اور کونسے انکار و اعمال کے ساتھ ان دروازوں میں کسی کا داخلہ ممکن ہوتا ہے، اور دونوں طرف کیا کیا قوانین کار فرما ہیں۔ ہدایت و ضلالت کی تقدیر میں انسان کا اپنا جو کچھ حصہ ہوسکتا ہے وہ خوب اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

ہدایت و ضلالت کی تقدیر قرآن میں تمام تر اسی لیے بیان ہوئی ہے کہ لوگ ضلالت سے بچنے اور ہدایت قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ایک طرف قرآن یہ بتاتا ہے کہ غلامِ غلامِ آلائشیں دل سے پاک کرو گے تو اس کے دریچوں سے اللہ کے نور کی شعاعیں داخل ہونگی اور غلامِ غلامِ حرکتیں کہ گے تو یہ دل کے دریچوں کو ہمیشہ کے لیے بند کرنے کا موجب ہونگی۔ ہدایت کا ایک راز یہ ہے کہ مانگو گے تو ملے گا، کھلم کھاؤ گے تو دروازے کھلیں گے، اپنے حواس کی کھڑکیاں کھلی رکھو گے تو روشنی اور تازہ ہوا اندر آئے گی، تعصب کے پرے اٹھاؤ گے تو حقیقتیں تمہارے گھر میں داخل ہونگی، غم خود آگے بڑھو گے تو تمہارا استقبال کیا جائیگا، اپنی آنکھیں کھولو گے تو دیکھو گے اور اپنے کان لگاؤ گے تو سنو گے۔

قانون ہدایت یہ ہے کہ :-

بِقَدَرِ مَا رَزَقْنَاهُ  
وَسُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ  
الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ  
إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

اللہ (اپنے نور اور کتاب) کے ذریعے ان لوگوں کو  
ہدایت دیتا ہے جو اس کی رضا کے پیروکار ہوں اور  
سلامتی کے راستوں پر چلیں، اور پھر وہ ان کو اپنے  
قانون کے تحت مختلف تاریخوں سے نکال کر مدنی

میں لانا ہے اور صرف مستقیم کی طرف ان کی رہنمائی  
کتاب ہے۔

یعنی ہدایت اس کے لیے ہے جو خدا کی رضا کو پیش نظر رکھے اور زندگی کے تمام معاملات میں  
سلامتی کے راستوں کا جو یا ہو۔ یہاں تقدیر ہدایت بیان کرنے کا اصل مقصود یہی ہے کہ طالبین ہدایت کو  
رضاء الہی کے اتباع اور سبل السلام پر چلنے کا جذبہ نصیب ہو۔ نہ کہ وہ آنکھیں بند کر کے چل نکلیں کہ  
اللہ خود ہی جہد جہاد سے گائے جائے گا۔

پھر فرمایا۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ  
سُبُلَنَا۔ اور وہ لوگ کہ جنہوں نے ہم سے لیے جہد و جہاد کی  
اتہیں ہم زندگی کے ہر میدان میں، اپنے راستے  
پر حلال دکھائیں گے!

یہ ہے اللہ کا قانون تقدیر ہدایت و ضلالت کے بارے میں۔ اس کے بیان کا مدعا یہی ہے کہ لوگ  
ہدایت الہی کی طلب میں اس کے راستے میں جہد و جہاد کرنے کی اپہرٹ لے کر اٹھ کھڑے ہوں اور پھر اللہ پر  
بھروسہ کریں کہ وہ ان کی رہنمائی کرے گا۔

فلسفہ تقدیر کا اثنا استعمال اور یہ کی چند مثالیں کہ سامنے رکھ کر آگے سوچیں تو پھر یہ حقیقت بہت  
اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ قرآن کا فلسفہ تقدیر ایمان و عمل اور جہد و جہاد کا فلسفہ ہے۔ لیکن جو لوگ اسے  
جمود و محصیت اور اہل پرستی اور بے دینی کے جو اند کی دلیل بناتے ہیں دراصل ان کا فلسفہ تقدیر یہ ہے  
بالکل دوسرا۔ ان کا نظریہ تقدیر قرآن کے بالکل برعکس ہے۔

تقدیر کے پابند جمادات و نباتات  
مومن فقط احکام الہی کا ہے پابند